# 23

# اخلاق فاضلہ کی اہمیت اور ضرورت

(فرمودہ ۱۹ جون ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

میں نے پچھلے خطبات جمعہ میں اخلاق فاضلہ کے متعلق بعض باتیں بیان کی ہیں اور میں اسی مضمون کو ابھی جاری رکھنا چاہتا تھا لیکن چونکہ آج سر درد کا دورہ شروع ہے۔ جو مہینہ میں ایک دفعہ ہوا کرتا ہے۔ اور اگر شدید ہو تو تکیہ سے سر بھی اٹھایا نہیں جا سکتا اور بولنے سے عموماً تکلیف زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے میں کچھ زیادہ بیان نہ کر سکوں گا۔ لیکن چونکہ میں چاہتا ہوں کہ اس مضمون کا تسلسل نہ ٹوٹے گو اختصار کے ساتھ ہی کچھ بیان کروں۔ اس لئے آج بھی میں اسی مضمون کو لیتا ہوں۔

مگر اپنے مضمون کو شروع کرنے سے پہلے بہت خوشی سے اس بات کا اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے سکول کے طلباء نے میری نصیحت کے ماتحت فیصلہ کیا ہے۔ کہ آئندہ وہ سب شریعت کے حکم کے ماتحت ڈاڑھی رکھیں گے۔ اور سگریٹ نہیں پئیں گے۔ انہوں نے ایک مجلس کرکے یہ اقرار کیا اور آئندہ اس بارے میں احتیاط کرنے کا وعدہ کیا ہے ہر انسان پر دو زمانے آتے ہیں۔ ایک وہ جب کہ اس پر جبر کرنا جائز ہوتا ہے۔ اور دوسرا وہ جب جبر ناجائز ہو جاتا ہے۔ بچپن کا زمانہ ایسا زمانہ ہوتا ہے کہ اس میں جبر جائز ہوتا ہے۔ بچہ کہتا ہے میں پڑھنے نہیں جاؤں گا۔ مگر ماں باپ جبراً بھیج دیتے ہیں۔ بچہ کہتا ہے میں دوائی نہیں پیؤں گا مگر ماں باپ زبردستی پلا دیتے ہیں۔ بچہ کہتا ہے میں نہیں نہاؤں گا۔ مگر ماں باپ نہلا دیتے ہیں۔ تو بچپن میں ایک حد تک جبر جائز ہوتا ہے۔ اس سے زائد نہیں۔ مگر بڑی عمر کے آدمی پر جبر جائز نہیں ہوتا۔ اسے کسی کام پر جبراً نہیں بھیج سکتے۔ سوائے اس کے وہ معاہد ہو۔ یعنی اس نے یہ معاہدہ کیا ہو کہ اتنا بدلہ لے کر فلاں کام کروں گا۔ اس صورت

میں اس سے معاہدہ کا پور کرانا جائز ہو گا۔ تو بچپن میں ہم جبر سے کام لے سکتے ہیں مگر جبر میں وہ لطف نہیں جو مرضی اور خوشی سے کام کرنے میں ہوتا ہے۔ اور جو مرضی اور خوشی سے کئے ہوئے کام کے نتائج ہوتے ہیں وہ جبر کے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے میں بجائے اس کے کہ صیغہ کے افسروں سے کہتا ان ہی لڑکوں کو سکول میں رکھیں۔ جو شریعت کے احکام کی پابندی کرتے ہوں میں نے چاہا کہ خود بچوں کے ایمان کی آزمائش کروں جو میں نے کی۔ اور میں خوشی سے اعلان کرتا ہوں کہ بچے اس میں کامیاب نکلے۔ اب مجھے امید ہے کہ ہماری جماعت کے وہ لوگ جو عمر رسیدہ ہیں۔ جنہیں بچے نہیں کہا جا سکتا اور بچوں کی نسبت زیادہ مضبوط نیت اور ارادہ رکھتے ہیں وہ ان بچوں کی تقلید میں یہ باتیں اختیار کر لیں گے۔ اگر وہ خود شروع میں قدم نہیں اٹھا سکے۔ تو اب بچوں کے ابتدا کرنے کے بعد ان سے پیچھے نہ رہیں گے اور اسلام کے اس ظاہری حکم کی پابندی سے دریغ نہ کریں گے۔ جس کی خلاف ورزی ہر ایک کو نظر آسکتی ہے اور وہ اس قسم کے بہانوں کے نیچے پناہ نہ لیں گے۔ کہ ڈاڑھی رکھنا روحانیت کے اصول میں داخل ہے۔ کیونکہ جیسا کہ میں نے ایک خطبہ میں بتایا تھا بے شک یہ بات اصول اسلام میں داخل نہیں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہے۔ (ا) اور آپ کا فرمانا اصول اسلام میں داخل ہے۔ پھر حضرت مسیح موعودؑ نے اس کی تصدیق فرمائی ہے۔ آپ سے عرض کیا گیا جو لوگ احمدی ہو کر ڈاڑھی نہیں رکھتے انہیں تنبیہہ کیوں نہیں کی جاتی۔ آپ نے فرمایا جو شخص مجھ پر ایمان لاتا ہے۔ اور مجھے راست باز سمجھتا ہے اسے میری شکل دیکھ کر خود بخود داڑھی رکھنے کا خیال پیدا ہو گا۔ اس میں کہنے کی ضرورت نہیں۔ بعض مسائل پوشیدہ ہوتے ہیں اور ان کے متعلق جب تک بتایا نہ جائے پتہ نہیں لگ سکتا۔ مثلاً ہم نہیں جانتے حضرت مسیح موعودؑ نے جھوٹ۔ خیانت۔ امانت کی کیا تعریف کی ہے۔ کیونکہ یہ باتیں دل سے تعلق رکھتی ہیں اور جب تک ان کا اظہار نہ ہو پتہ نہیں لگتا۔ مگر ڈاڑھی رکھنا بالکل ظاہر بات تھی اس لئے آپ نے فرمایا جو شخص میری شکل دیکھے گا اس میں اگر اخلاص ہو گا تو خود بخود میری شکل اختیار کر لے گا اب جو شخص اس کے بعد بھی آپ کی شکل اختیار نہیں کرتا اسے سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا فتویٰ اس کے متعلق یہ موجود ہے کہ اگر اخلاص ہو گا تب ایسا کرے گا۔

اس کے بعد میں تمام جماعت کو مخاطب کر کے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اخلاق فاضلہ روحانی ترقیات کی طرح ایک اصل پر قائم ہیں اور میں تو کہوں گا خدا تعالیٰ نے دنیا کی ہر ترقی کے لئے ایک قانون بنایا ہے۔ جب تک اس کی اتباع نہ کی جائے کوئی شخص کامیاب نہیں ہو سکتا۔ خواہ روحانیت

ہو۔ خواہ جسمانی صحت، خواہ علوم ہوں، خواہ اعمال، کچھ ہو ہر ایک میں ترقی کرنے کا ایک گر ہے جس کی پابندی ضروری ہے۔ وہ گر یہ ہے کہ جس چیز کے حصول کی کوشش کرنی ہو پہلے اس کی قدر و اہمیت کو سمجھا جائے۔ کیونکہ جب تک اہمیت کا پورا پورا احساس نہ ہو۔ اس وقت تک اس کے حصول کے لئے ایسی کوشش نہیں کی جا سکتی کہ انسان ہر رکاوٹ کو دبا سکے۔ میرے نزدیک یہی ایک ایسا گر ہے جس کی طرف توجہ نہ کرنے کی وجہ سے ۹۰ فیصد لوگ اپنے مقصد میں ناکام ہوتے ہیں اور خصوصیت سے میں نے اس کا شکار مسلمانوں کو دیکھا ہے کسی نے کہا ہے۔

اے روشنی طبع تو برمن بلاشدی

مسلمانوں کو جو پاک تعلیم قرآن کریم نے دی تھی۔ شامت اعمال کے باعث اسی کی وجہ سے وہ گمراہی میں پڑ گئے ہیں۔ قرآن کریم میں ایسے اعلیٰ اصول ایسے اعلیٰ عقائد اور ایسی خوبصورت تعلیم دی گئی ہے کہ ہر مسلمان اس کے ذریعہ دیگر مذاہب پر فتح پا سکتا ہے اور جیت سکتا ہے۔ مسلمانوں کو جب اس رنگ میں غلبہ حاصل ہوا تو انہوں نے اپنے اندرونی نقائص کے باعث یہ سمجھ لیا کہ ہمیں کسی اور بات کی ضرورت نہیں رہی۔ اسلام کی تعلیم جو اعلیٰ ثابت ہو گئی اور ہم نے دوسرے مذاہب کی تعلیموں پر اس کی برتری ثابت کر دی۔ حالانکہ قرآن کریم اس لئے نہیں نازل ہوا تھا کہ مسلمان اس کے ذریعہ بحث میں فتح حاصل کیا کریں نہ اس لئے نازل ہوا تھا کہ مسلمان اسے بحث و مباحثہ کا ہتھیار بنائیں۔ بلکہ وہ اپنے نازل ہونے کی غرض یہ بیان کرتا ہے۔ کہ نبی نوع انسان کو وہ علوم عقلیہ سکھائے۔ جن کی معرفت اور جن کے ذریعہ خدا تک پہنچ سکے۔ ایسی ہدایات دے جن سے نفس میں پاکیزگی پیدا ہو سکے۔ ایسی حکمتیں بتائے جن کے ذریعہ عمل میں بشاشت پیدا ہو اور جو قلب کو ایسا پاک اور مطہر بنا دیں کہ وہ خدا کی صفات کا جلوہ گاہ اور مہبط کا کام دے۔ پس قرآن کے نزول کی چار غرضیں ہیں اور وہ یہ کہ (۱) عرفان کامل ہو (۲) عمل کامل ہو (۳) عقل کامل ہو۔ پھر (۴) عمل کامل ہو پہلے عمل سے مراد ظاہری عمل ہے اور دوسرے سے مراد تزکیہ نفس اور طہارت۔ گویا یہ دل کا عمل ہے۔ جو بعد میں حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ دو قسم کی عملی ترقیاں ہوتی ہیں اور دو قسم کی ذہنی ترقیاں تو یہ ہیں (۱) عرفان کامل ہو (۲) عقل اور ذہن تسلی پائے اور عملی ترقیاں یہ ہیں (۱) اعضاء کے اعمال کامل ہوں (۲) قلب کے اعمال کامل ہوں گویا دو عقلی اور دو عملی ترقیاں ہیں ان کے متعلق میں ان لوگوں سے جو سلسلہ احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں کہتا ہوں اگر انہوں نے سلسلہ میں داخل ہو کر ان امور میں تغیر نہیں پیدا کیا ان کے حصول میں کامیابی نہیں حاصل کی۔ تو قرآن کا نازل ہونا نہ ہونا ان

کے لئے برابر ہے۔ ایسے شخص کو اس امر پر خوش ہونے کا کوئی حق نہیں کہ قرآن کریم کی تعلیم سب تعلیموں سے اعلیٰ ہے اور اس کے ذریعہ وہ سب پر غلبہ پا سکتا ہے۔

افسوس کہ مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہم نے قرآن کو خدا کو اور خدا کے رسول کو مان لیا ہے اس لئے اس میں ایسی فضیلت حاصل ہو گئی ہے۔ کہ کچھ اور کرنے کی ضرورت نہیں۔ گویا قرآن کریم کی اعلیٰ تعلیم جس کے ذریعہ وہ دوسروں پر غلبہ پالیتے ہیں وہی ان کو غافل کرنے کا باعث بن گئی۔ اس تعلیم کی وجہ سے وہ سمجھتے ہیں ہمیں بہت بڑی فضیلت حاصل ہو گئی۔ حالانکہ فضیلت اس شخص کو نہ ملی جو اس تعلیم کو پیش کر کے جیت گیا بلکہ اس تعلیم کو فضیلت ہوئی جس نے غلبہ حاصل کیا۔ اس شخص کو تو فضیلت تب ملتی جب اس کا اپنا عمل بھی دوسرے مذاہب کے لوگوں سے اچھا ہوتا۔ مثلاً قرآن کریم کہتا ہے جھوٹ نہ بولو۔ اب اگر ایک مسلمان جھوٹ بولتا ہے۔ مگر ایک ہندو نہیں بولتا تو مسلمان کو اس لئے ہندو پر فضیلت حاصل نہ ہو گی۔ کہ قرآن کریم میں جھوٹ کی ممانعت لکھی ہے۔ بلکہ ہندو کو اس مسلمان پر اس بارے میں فضیلت ہو گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص قرآن کریم کی تعلیم کو پیش کر کے جیت جاتا ہے۔ تو یہ قرآن کریم کی تعلیم کی فضیلت ہے نہ کہ اس شخص کی اگر دیانت میں امانت میں اخلاق میں غیر مذہب کا شخص ایک مسلمان سے اعلیٰ ہے تو وہ اس سے بہتر ہو گا مگر مسلمانوں کو اپنے اخلاق کی اصلاح کرنے میں ایک یہ بات روک ہو گئی کہ انہوں نے سمجھ لیا جب قرآن کریم کی تعلیم سب سے اعلیٰ ہے تو یہی بات ہماری فضیلت کے لئے کافی ہے ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں اس وجہ سے وہ اپنے اخلاق کی درستی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

دوسرے ایک اور اعلیٰ درجہ کی قرآن کریم کی تعلیم ہے جو انسانوں کو پاکیزہ کرنے اور خدا کے محبوب بنانے کے لئے آئی ہے۔ اس کے غلط استعمال سے بھی گمراہ ہو گئے ہیں۔ وہ شفاعت کی تعلیم ہے۔ شفاعت کے معنی ایک کو دوسرے سے جوڑ دینا ہیں۔ شفع دو کو جوڑ دینے کو کہتے ہیں۔ اور شفیع اسے جو کسی کو اپنے ساتھ ملا لیتا ہے۔ تو شفاعت کا یہ مطلب تھا کہ ایک ایسا مسلمان جو رسول کریم ﷺ کا نمونہ بننے کی پوری پوری کوشش کرے گا۔ اس میں اگر بعض نقص بھی رہ جائیں گے جن کی وجہ سے وہ باوجود کوشش اور محنت کے رسول کریم ﷺ کا جوڑا نہ بن سکے تو آپ اس کے متعلق فرمائیں گے کہ یہ میرا جوڑا ہے۔ گو اس میں بعض نقائص رہ گئے ہیں مگر اس نے چونکہ کامل ہونے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اسے میرے ساتھ رکھا جائے۔ یہ مفہوم ہے شفاعت کا کہ بعض لوگ جو سچی کوششوں کے باجود بعض کمزوریوں اور نقائص کے باعث

یا موت کی وجہ سے اپنے آپ کو کامل نمونہ نہ بنا سکیں گے۔ اور اس امر کی کوشش کرتے ہوئے میدان جنگ میں مارے جائیں گے۔ محمد ﷺ ان کے متعلق کہیں گے ان کو میرے ساتھ فاتحین میں شامل کیا جائے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جس شخص کے متعلق یہ کہیں گے خدا تعالیٰ اسے منظور کر لے گا۔ یہ ہے شفاعت۔ لیکن مسلمانوں میں اس مسئلہ کو غلط طریق پر سمجھنے کی وجہ سے یہ نتیجہ پیدا ہوا ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں جو جی چاہے کرو رسول کریم ﷺ شفاعت کر کے بخشوا لیں گے۔ ان کے نزدیک مسلمان سب سے بدترین اخلاق رکھیں۔ ہر قسم کے عیوب میں مبتلا ہوں۔ ہر قسم کی بدکاریوں کا ارتکاب کریں۔ کوئی پرواہ نہیں کیونکہ۔

مستحق شفاعت گناہ گاراں اند

اگر ہم گناہ گار نہ ہوں گے تو پھر رسول کریم ﷺ شفاعت کس کی کریں گے۔ تو وہ مسئلہ جس سے اسلام نے مسلمانوں کی ہمت بڑھائی تھی کہ تم پاک ہونے کی اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کرو گویا اس مسئلہ میں ہر ایک مومن کو مثیل محمدؐ بننے کی کوشش کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ لیکن اب کہا جاتا ہے کہ ابو جہل بننا چاہیے۔ تاکہ محمد ﷺ شفاعت کر سکیں۔ اس خیال کی وجہ سے مسلمانوں میں مثیل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نہیں۔ بلکہ مثیل ابو جہل، عتبہ، شیبہ پیدا ہو رہے ہیں۔ جس پر کہنا پڑتا ہے۔

اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی

قرآن کریم کی اعلیٰ تعلیم جو مسلمانوں کو پاک اور مطہر کرنے کے لئے آئی وہ تعلیم جس کی وجہ سے انہیں دیگر مذاہب پر فتح حاصل ہوئی۔ اس کی وجہ سے کہتے ہیں ہم کامل ہو گئے۔ ہمیں کسی چیز کی پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح وہ شفاعت کی تعلیم جو ہمت بندھانے اور حوصلہ بلند کر کے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بروز بنانے کے لئے آئی تھی۔ وہ بھی ان کی تباہی کا موجب ہو گئی۔ ان دو باتوں کا نتیجہ یہ ہوا (اس زمانہ سے جب سے کہ مسلمان بگڑے پہلے مسلمان تو ان سے وہی فائدہ حاصل کرتے رہے۔ جو ان سے مقصود تھا) کہ اخلاق فاضلہ کی طرف مسلمانوں کی بالکل توجہ نہیں رہی۔ کس قدر افسوس اور رنج کی بات ہے کہ آج مسلمان ہر بات میں دوسروں سے پیچھے ہیں۔ شستہ اور اعلیٰ اخلاق میں مسلمان پیچھے ہیں۔ تجارت میں مسلمان پیچھے ہیں۔ ایک ہندو تاجر پر اعتبار کیا جا سکتا ہے، ایک سکھ تاجر پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ ایک انگریز تاجر پر بہت زیادہ اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر نہیں کیا جا سکتا تو مسلمان تاجر پر۔ اسی طرح ملازمتوں میں ہندو سکھ عیسائی پر بھروسہ کیا

جا سکتا ہے۔ لیکن مسلمان ملازم پر نہیں کیا جا سکتا۔ اور ان کی بد بختی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ہمیں عیب کرنا بھی نہیں آتا۔ ایک ہندو اگر رشوت لے گا تو اپنا پہلو بچا کر۔ لیکن مسلمان ایسے رنگ میں لے گا کہ اپنے آپ کو تباہ کر لے گا۔ اسی طرح ایک ہندو اپنی قوم کی مدد کرے گا تو ایسے طریق سے کہ کسی گرفت میں نہ آسکے۔ لیکن اگر ایک مسلمان مدد کرے گا تو اپنے آپ کو پھنسا لے گا۔ پس مسلمانوں کا نیکی کرنا تو الگ رہا انہیں بدی کرنا بھی نہیں آتا۔ سیاسی لیڈروں کو ہی لے لو۔ ایک بھی مسلمان لیڈر ایسا نہیں جو دنیا میں کچھ وقعت رکھتا ہو۔ خود مسلمان یہ کہتے ہیں کہ گاندھی جی عقل اور اخلاق میں تمام دنیا کے لوگوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اعلیٰ اخلاق ہی مذہب کی پہلی سیڑھی ہیں۔ اگر گاندھی جی کے اخلاق تمام دنیا کے مسلمانوں سے اعلیٰ ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا مذہب بھی سچا ہے مگر یہ ضرور ہے کہ پھر روحانیت کسی مسلمان میں نہیں ہے ابھی بنگال کے بہت بڑے لیڈر مسٹر سی - آر - داس فوت ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کو خود اعتراف تھا کہ کوئی مسلمان عقل اور سمجھ اور اخلاق کے لحاظ سے ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ بات یہ ہے کہ ہندو لیڈروں کی باتوں میں سنجیدگی اور متانت ہوتی ہے۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتے جس میں چھچھورا پن پایا جائے۔ انہیں اپنی غلطی پر اصرار نہیں ہوتا۔ گاندھی جی کو کبھی اس بات پر مصر نہ پاؤ گے کہ وہ کہیں میں ضرور صحت پر ہوں۔ باوجود اس کے کہ سوراجیہ کے لئے سب سے زیادہ کوشش کرنے والے وہ ہیں کہتے ہیں اگر انگریزوں سے صلح کا کوئی طریق نکلے تو میں صلح کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مگر مسلمان لیڈر سوائے دھمکی دینے اور ڈراوا بتانے کے اور کچھ جانتے ہی نہیں۔ مجنونوں کی طرح کہتے رہتے ہیں کہ ہم یوں کریں گے۔ ہم ووں کر دیں گے اور پیچھے کچھ بھی نہیں کرتے۔ مثلاً مسلمان لیڈروں کی طرف سے پہلے کہا جاتا تھا کہ اگر خلافت ترکی کا معاملہ ہمارے خیال کے مطابق طے نہ ہوا تو گورنمنٹ برطانیہ کو پتہ لگ جائے گا ہم کیا کر سکتے ہیں۔ لیکن جب گورنمنٹ نے وہی کیا جو اس کا منشاء تھا البتہ اتنا کر دیا کہ ہم نے ترکوں کے لئے جن مطالبات کو جائز اور مناسب بتایا وہ منظور کر لئے گئے تو مسلمانوں نے کچھ بھی نہ کیا اور آخر جب ترکوں نے خود ہی خلافت کو اڑا دیا تو مسلمان یہ کہنے لگ گئے کہ جس قسم کی پارلیمنٹ مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت کو اڑا کر بنائی ہے دراصل وہی خلافت ہے۔ اور ہماری خلافت سے مراد اسی قسم کی خلافت تھی۔ مگر یہ ان کی مراد ایسی ہی تھی جیسی ایک دفعہ پیر جماعت علی شاہ صاحب نے اپنی مراد بیان کی تھی انہیں مجھ سے کچھ کام تھا۔ انہوں نے میرے لئے چائے بنوا کر منگائی اور کشمش وغیرہ کھانے کے لئے پیش کئے۔ چونکہ مجھے نزلہ تھا۔ اس لئے میں نے کھانے سے

انکار کر دیا۔ اس پر کہنے لگے جو کچھ تقدیر میں ہوتا ہے۔ وہی ہوتا ہے کھانے پینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ میں نے کہا یہ بات آپ نے پہلے کیوں نہ بتائی جب ہم لاہور سے روانہ ہونے لگے تھے۔ آپ اگر اس وقت بتاتے تو ریل کے ٹکٹ کا خرچ خواہ مخواہ برداشت نہ کرنا پڑتا۔ اگر تقدیر میں ہوتا تو ہم خود بخود اپنے اپنے مقام پر پہنچ جاتے۔ کہنے لگے تدبیر ہوتی ہے۔ میں نے کہا نزلہ کی حالت میں ترش چیزیں نہ کھانا بھی تدبیر ہی ہے۔ اس پر کہنے لگے تقدیر کے ذکر سے میری مراد بھی یہی تھی۔ تو مسلمانوں کے لیڈروں کی مراد اسی طرح خلافت سے مجلس شوریٰ تھی۔ جس طرح پیر جماعت علی صاحب کی تقدیر سے مراد تدبیر تھی۔ اب مسلمان لیڈر یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر حاجی حج کئے بغیر واپس آگئے تو پھر حکومت کو پتہ لگ جائے گا کہ کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر بے ہودگی کیا ہو سکتی ہے کہ انگریزوں سے کہا جائے کہ وہ اپنی قوت اور طاقت کے ذریعہ اس معاملہ میں دخل دیں۔ اس کا مطلب تو اپنے ہاتھ سے اپنی ناک کاٹنا ہے۔ کیونکہ اگر انگریز آج اس معاملہ میں دخل دیں گے۔ تو پھر ہمیشہ کے ئے ان کا حق ہو جائے گا کہ دخل دیتے رہیں۔ ہماری رائے تو اس بارے میں یہ ہے ہم انگریزوں سے یہ کہہ دیں کہ تم پرے بیٹھے رہو۔ تم اس معاملہ میں دخل نہ دو۔ یہ ہمارا مذہبی معاملہ اور ہمارے مقامات مقدسہ سے تعلق رکھنے والا معاملہ ہے۔ تمہارا اس معاملہ میں کچھ بھی دخل ہم گوارا نہیں کر سکتے۔ یہی بات سب مسلمانوں کو کہنی چاہیے تھی۔ مگر خدا تعالیٰ مجرموں کو پکڑتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض منذر الہامات جب پورے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ان پر احمدیوں کو خوشی منانی چاہیے۔ مثلاً کابل میں جب ہمارے آدمی مارے گئے۔ اور لکھا گیا کہ اس کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی پیش گوئی تھی۔ تو انہوں نے کہا احمدیوں کو اس موقع پر خوش ہونا چاہیے کہ ان کے نبی کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ نہ کہ اظہار رنج و غم کرنا چاہیے ہم کہتے ہیں آج بھی انہیں خوشی کرنی چاہیے کہ امیر علی کی وجہ سے حج میں بندش پیدا ہو رہی ہے۔ اور حج کا رکنا رسول کریم ﷺ کی پیش گوئی ہے۔ اب کیوں چیختے چلاتے ہیں۔ اور کیوں یہ پیش گوئی انہیں بھول گئی ہے۔ دراصل یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہے ہر وہ حملہ جو یہ لوگ ہم پر کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان پر عائد کر دیتا ہے۔ اب اگر حج نہ ہوا اور حاجی واپس آگئے تو ہم ہی نہیں جانتے یہ لوگ خود بھی جانتے ہیں کہ ان سے پھر بھی کچھ نہ ہو گا۔ اور یہ اپنی دھمکیوں کو کسی اور موقع کے لئے اٹھا رکھیں گے یعنی پھر اس وقت کہیں گے اگر یہ ہوا تو ہم یہ کر دیں گے۔

مجھے ان کی اس قسم کی دھمکیوں کی مثال ایک واقعہ میں نظر آتی ہے۔ جو میں نے ۶-۷ سال

کی عمر میں دیکھا تھا۔ میں بازار میں سے گزر رہا تھا کہ میں نے دیکھا دو ہندو لڑ رہے ہیں۔ ایک کے ہاتھ میں ترازو ہے۔ اور دوسرے کے ہاتھ میں پنسیری۔ ایک ایک دوکان پر کھڑا تھا اور دوسرا دوسری دکان پر۔ ایک کہے اب گالی دو تو تمہارا سر توڑ دوں گا دوسرا کہے ہاں گالی دوں گا۔ مگر گالی دے نہ۔ چونکہ میرا بچپن کا زمانہ تھا مجھے شوق تھا کہ لڑائی ہوتی دیکھوں۔ اس لئے دیر تک ان کی یہ باتیں سنتا رہا۔ مگر وہ باتوں سے آگے نہ بڑھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں اپنی اپنی دوکانوں میں گھس گئے۔ اس وقت پھر ایک نے دوسرے کو گالی دی۔ جسے گالی دی گئی تھی وہ بڑے جوش کے ساتھ پنسیری اٹھائے پھر باہر آیا۔ اور کہنے لگا اب گالی دو تو مزا چکھاؤں۔ حالانکہ اگر وہ کچھ کر سکتا تو جب دوسرے نے اس کا پہلا چیلنج منظور کر لیا اور اسے گالی دی تھی۔ وہ کچھ کر لیتا مگر پھر اس نے یہی کہنا شروع کر دیا کہ اب گالی دو تو بتاؤں اسی طرح تھوڑی دیر شور مچا کر پھر بیٹھ گئے۔ اس وقت پھر اس نے گالی دی۔ اور پھر دوسرا غصہ سے لال پیلا ہو کر کہنے لگا اب گالی دو تو مزا چکھاؤں۔ ان کی اس قسم کی باتوں پر اس وقت مجھے اتنا غصہ آئے کہ کوئی صورت ہو تو میں خود انہیں گتھم گتھا کر دوں مجھے ان کا یہ طریق بہت برا لگتا تھا۔ اس وقت بھی میں یہی چاہتا تھا کہ انہیں اگر کچھ کرنا ہے تو کریں۔ فضول دھمکیاں دینے کا کیا فائدہ۔ اسی طرح اب بھی مجھے مسلمانوں پر غصہ آتا ہے۔ چھ سال ہو گئے ہیں یہی سنتے کہ اب کرو تو یہ ہم کر دیں گے۔ کرنے والے نے پھر کیا۔ مگر انہوں نے کچھ نہ کر کے دکھایا۔ سوائے اس کے کہ مسلمانوں کی ان دھمکیوں سے بے عزتی اور بے حرمتی ہوئی۔ وہ ذلیل اور حقیر خیال کئے گئے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ سفر یورپ کے دوران میں میں نے کسی یورپین کے منہ سے کسی مسلمان لیڈر کی تعریف نہیں سنی۔ مگر متعدد انگریزوں فرانسیسیوں اٹالین کو ہندو لیڈروں کی تعریف کرتے دیکھا۔ اگر مسلمان بے دست و پا اور کمزور ہیں۔ تو ہندوؤں کے پاس کونسی تلوار ہے لیکن ان کی تعریف کرنے والے لوگ موجود ہیں۔ بات یہ ہے کہ دنیا عقلمندی اور ذہانت کی تعریف کرتی ہے۔ ہندوؤں نے چونکہ ایک حد تک کام کو عقل سے چلایا ہے۔ اس لئے ان کی تعریف کی جاتی ہے۔ مگر مسلمانوں کی ہر جگہ مذمت ہو رہی ہے۔ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ مسلمان نے اخلاق کو سٹڈی نہیں کیا۔ ہر قوم اعلیٰ اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر مسلمان صرف اس امر پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں کہ قرآن کریم کی تعلیم سب سے اعلیٰ ہے یہی کافی ہے۔ اب سچائی دیانت امانت ان کے اندر نہیں۔ ان کا کوئی فعل اور کوئی کام متانت اور سنجیدگی کو لئے ہوئے نہیں۔ ان کی کسی بات سے عقل و خرد کا ثبوت نہیں ملتا اور وہ ایسی معجون مرکب بن گئے ہیں۔ جسے نہ نگلا جائے

نہ تھوکا جائے۔ قرآن کریم کی تعلیم لوگوں کو اپنی خوبی اور صداقت کے ذریعہ اپنی طرف کھینچتی ہے۔ لیکن جب وہ لوگ مسلمانوں کے پاس آتے ہیں تو ان کے بد نمونہ کو دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں۔

غرض اس بات کا نتیجہ نہایت مہلک نکلا ہے۔ کہ اسلام کی اعلیٰ تعلیم اور شفاعت کا نہایت اعلیٰ مسئلہ جو ترقی کی طرف لے جانے والا تھا۔ اس سے مسلمانوں نے ٹھوکر کھا کر اپنے آپ کو ہر پہلو میں کمزور بلکہ قابل نفرت بنا لیا ہے۔ اور یہ بات ان کی تباہی کا موجب ہو گئی ہے کہ انہوں نے اخلاق کی اہمیت کو نہیں سمجھا۔ میں اپنی جماعت کو اس وقت اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اعلیٰ اخلاق کی اہمیت کو سمجھیں کیونکہ اہمیت سمجھے بغیر کوئی تعلیم کوئی کام اور کوئی عمل فائدہ نہیں دے سکتا۔ مثلاً اگر کسی شخص کو احمدی ہوتے وقت یہ احساس نہیں ہوتا کہ احمدی ہونے کے بعد مجھے کئی قسم کی قربانی کرنی پڑے گی۔ تو وفات مسیح یا نبوت مسیح موعودؑ یا الہام کے مسئلہ میں اس کا مخالفوں پر غلبہ پا لینا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اگر اس کے اعمال پر کوئی اثر نہیں ہوا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سے اسے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک مسلمان کے اعمال اچھے نہیں ہیں تو اسے محمد ﷺ کے آنے سے کیا فائدہ۔ اور میں تو کہوں گا اگر آنحضرت ﷺ آتے اور دنیا میں کوئی تغیر کئے بغیر چلے جاتے تو آپ کی اس سے بڑھ کر کیا حقیقت ہوتی۔ جو آندھی یا بارش کی ہوتی ہے۔ بارش اور آندھی پھر بھی کچھ نہ کچھ اثر کرتی ہے۔ اگر رسول کریم ﷺ کی بعثت کچھ تغیر نہ کرتی تو اس کی کوئی حقیقت نہ ہوتی۔ اس تغیر اور اثر کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ سینکڑوں سال تک برائی اور بدی کی بیخ کنی ہو گئی۔ اس طرح اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماننے سے دنیا میں ایسی رو نہ چلے - جو برائیوں کو بہا کر لے جائے۔ تو آپ کے آنے اور آپ کو ماننے سے کیا فائدہ۔ اور یہ رو اس وقت تک نہیں چل سکتی۔ جب تک آپ کو ماننے والا ہر فرد یہ نہیں سمجھتا کہ اخلاق فاضلہ پہلی چیز ہے۔ جو روحانیت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص اخلاق فاضلہ حاصل نہیں کرتا تو اس کے احمدی ہونے کا نہ خود اسے کچھ فائدہ ہے اور نہ وہ جماعت کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ پس سب سے پہلے ہر ایک احمدی کو اس طرف توجہ کرنی چاہیے کہ وہ اخلاق فاضلہ کی اہمیت سمجھے ورنہ اس کا احمدی ہونا بے فائدہ ہے۔ پھر یہ ہے کہ نہ صرف اپنے اخلاق کی درستی کا خیال رکھے بلکہ دوسروں کی طرف بھی دیکھے کہ ان کے اخلاق بھی اعلیٰ ہوں۔ کیونکہ جب تک سب لوگوں کے اخلاق اعلیٰ نہ ہوں دوسروں پر خاص امتیاز حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کسی کے لئے خوشی کی بات نہیں ہو سکتی کیا کبھی ایسا شخص ہنستا دیکھا ہے۔ جس کی آنکھ دکھتی ہو اور وہ یہ کہے

میرا جسم نہیں دکھتا اس لئے میں خوش ہوں۔ اس طرح اگر جماعت میں ایک فرد بھی کمزور ہو تو اس کا ساری جماعت پر اثر پڑے گا۔ دیکھو رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ تمام انسان ایک جسم کے اعضاء کے طور پر ہیں۔ پس اگر ایک کو تکلیف ہو گی۔ تو دوسرے کو بھی ہو گی۔ اور کوئی ایسی جماعت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جو یہ نہیں دیکھتی کہ اس کے سب کے سب افراد ایک معیار تک پہنچے ہوئے ہیں۔ ہمیں حضرت مسیح موعودؑ کے آنے کی خوشی تبھی ہو سکتی ہے۔ جب ہم اخلاق میں، اعمال میں، سچائی میں، عدل میں، غرباء پروری میں، خوش خلقی میں، حقوق العباد ادا کرنے میں دوسروں سے امتیاز رکھتے ہوں۔ جب تک ایک احمدی میں یہ باتیں نہیں پیدا ہوتیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آنے کا اسے فائدہ پہنچا۔ احمدی بننے کا سب سے پہلا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ ہر رنگ میں اعلیٰ نمونہ کا خیال پیدا کرو۔ جب یہ خیال پیدا ہو گا تو وہ ایک بیج کی طرح ہو گا۔ جس سے آگے عمل پیدا ہو گا۔ اگر کسی میں عمل پیدا نہیں ہوتا۔ تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس میں خیال ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر خیال ہو گا۔ تو عمل بھی ضرور پیدا ہو گا۔ بے شک ایمان نجات کا باعث ہوتا ہے۔ مگر وہی ایمان جو اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ اس کے بعد انسان عمل سے رک ہی نہیں سکتا۔ اور ایسے لوگ اخلاق فاضلہ چھوڑ ہی نہیں سکتے اور وہ صرف اپنے ہی اخلاق کی اصلاح نہیں کرتے بلکہ اس وقت تک انہیں اطمینان نہیں آتا۔ جب تک دوسروں کے اخلاق کی اصلاح نہیں کر لیتے عام لوگ ایسے امور کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو گناہ نہیں ہوتے۔ اور اگر گناہ ہوتے ہین تو ان کی ذات سے تعلق نہیں رکھے۔ مگر جن اخلاق اور عادات کے متعلق انہیں قربانی کرنی پڑتی ہے۔ ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کی طرف توجہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور انہی کی طرف توجہ نہ کرنے سے بنی نوع انسان کی ترقی میں نقائص پیدا ہو جاتے ہیں۔ لوگ ان کی طرف توجہ نہیں کرتے وہ اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دیکھتے اور تنکوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ ہمارے دوستوں کو چاہیے کہ اس طرف توجہ کریں اور اب اس بارے میں غفلت نہ کریں مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بحیثیت جماعت ہم نے کوئی خاص نمونہ نہیں دکھایا اب بھی اگر ہم نے اس طرف توجہ نہ کی۔ تو ہمارے لئے تبلیغی میدان بند ہو جائیں گے اور یہ مٹھی بھر جماعت جو اس وقت ہے خدانخواستہ مفقود ہو کر ہم ایک خطرناک گناہ کے مرتکب ہوں گے اس کا وبال دجال کے لئے نہیں۔ بلکہ ہمارے لئے ہو گا کہ وہ تعلیم جسے خدا تعالیٰ نے دنیا کی نجات کے لئے بھیجا۔ اس کے بند کرنے اور اس پر پردہ ڈالنے والے ہم ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کے سب لوگوں کو توفیق دے کہ غفلت کو چھوڑ دیں اور آئندہ کے لئے پختہ وعدہ کریں کہ اپنی دیانت، امانت سچائی۔ حسن سلوک اور اعلیٰ اخلاق کا ایسا نمونہ دکھائیں گے کہ لوگ تسلیم کریں کہ فی الواقع حضرت مسیح موعودؑ کے آنے سے احمدیوں کو نفع اور فائدہ ہوا ہے۔

(الفضل ۲۵ جون ۱۹۲۵ء)

ا۔ بخاری کتاب اللباس و ابو داؤد کتاب الترجل باب اخذ الشارب